قرآنی آیات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کا اخلاق حسنہ

ام ابیہا شیخ[1]

خلاصہ:

حضرت محمد مصطفی ﷺ کی بابرکت ذاتِ اقدس انسانی تاریخ کی جداگانہ امتیازت کی حامل شخصیت ہے آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ، خصائل واطوار، اقوال و فرمودات، اور اسوہ حسنہ کو تاریخ نے بڑی تفصیل اور صراحت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارک ایک واضح وجامع کتاب کی مانند بنی آدم کے لیے ہے اور آپؐ کی انفرادی واجتماعی و خاندانی حتیٰ کہ انفرادی زندگی کا بھی کوئی گوشہ ارباب تاریخ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہا۔ خداوند عالم کی ذات نے اپنی مقدس اور لاریب کتاب یعنی قرآن مجید میں جناب رسول اللہؐ کی حیات مبارک کو تمام انسانیت کے لیے اسوہ اور نمونہ قرار دیتے ہوئے، اسوۂ حسنہ کو اپنی ساری جزئیات، کلیات وتفصیلات کے ساتھ تاریخ کے سینہ پر نقش رکھنا اس حکم باری تعالیٰ کا ایک منطقی تقاضہ ہے اور یہ تقاضہ الٰہی ایسا معجزہ بن چکا ہے۔ جسے تاریخ انسانی میں فراموش نہیں کیا جاسکتا-جناب رسول اللہؐ کی حیات طیبہ سے آج کا انسان اپنی معاشرتی اور انفرادی زندگی کے کسی بھی شعبہ میں رہنمائی حاصل کرنے کی جستجو اور جہد وجہد رکھتا ہے تو اسے آنحضور ﷺ کی زندگی کے حالات و فرمودات اور نورانی بیانات میں رہنمائی کی کوئی نہ کوئی بنیادی پہلو تک ضرور رسائی ہو جاے گی۔ یہ فقط عقیدت اور قلبی لگاو کا اظہار نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت ہے جسے کسی بھی آزمائشوں اور مشکلاتوں کی کسی بھی کسوٹی پر ہر دور میں پرکھ سکتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا بابرکت وجود سراپا مجموعۂ اوصاف حمیدہ ہے۔ آپ کی زندگی کے تمام پہلو ہر لحاظ سے کامل ترین ہیں مگر رسالت مآب ﷺ کی حیات کا سب سے جداگانہ پہلو جس نے دوستوں اور دشمنوں کو اس محضر خیر میں سر تسلیم خم کرنے پر عاجز کر دیا، وہ آپؐ کے اخلاق حسنہ ہیں جسے قران کریم نے "خلق عظیم" کے تمغہ امتیاز سے یاد فرمایا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نا ہو گا قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ

[1]۔ ایم اے اسلامک کلچر (پرائیویٹ)، شاہ عبد اللطیف یونیورسٹی خیر پور میرس، لاڑکانہ

کا تحریری نسخہ ہے بالفاظ دیگر سوانحہ حیات پیغمبر ﷺ ہے اس تناظر میں قرآنی آیات کی روشنی میں رسول اللہ کے اخلاق حسنہ کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے۔

کلیدی الفاظ: خلق عظیم، اخلاق حسنہ، بعثت

قرآن مجید:

یوں تو قرآن پاک سے مسلم و غیر مسلم تقریباً سب ہی وقف ہیں کہ یہ ایک تا قیامت تک قائم و دائم رہنے والا معجزہ ہے مگر ایک نکتے پر ان کا خیال نہیں دراصل ایک آیت یا ایک سورہ نہیں پورا کا پورا قرآن ثناء خوان محمد ﷺ ہے قرآن ایک مجسم عقیدہ ہے رسول خدا ﷺ کا۔ اگر آپ دور حاضر کے تعلیمی نظام کا تجزیہ کریں تو جو مضامین عملی طور پر پڑھائے جاتے ہیں انکی ایک پریکٹیکل یعنی عملی کتاب بھی ہوتی ہے جس میں اس درس کی تفصیل موجود ہوتی ہے۔

قرآنی آیات کی روشنی میں رسول اللہ کے اخلاق حسنہ

وَانّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیم

بے شک آپ اخلاق کے عظیم درجہ پر فائز ہیں۔[1]

اکثر مفسرین کے مطابق یہ آیت بعثت رسول ﷺ کے اولین روز نازل ہوئی۔ یہ آیت تمام اعتبار سے حضرت ﷺ کی روحانی زندگی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور صراحت کے ساتھ لفظ "خلق عظیم" کے ذریعہ آپ ﷺ کی رسالت سے قبل لیاقت اور استعداد پر بطور عمومی دلالت کرتی ہے کیونکہ (یہ آیت بعثت کے روز نازل ہوئی، اگر چند ایام گذر جانے کے بعد نازل ہوتی تو سمجھا جا سکتا تھا کہ "خلق" سے مراد نبوت و رسالت ہے یا وہ اوصاف جو رسالت و نبوت ملنے کے بعد آنحضرت میں پیدا ہوئے) لہذا ماننا پڑے گا "خلق عظیم" سے مراد آپ ﷺ کے وہ کمالات ہیں جو آپ ﷺ کے مبعوث بر سالت ہونے سے پہلے نمایاں تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کی مدح کے لیے اس آیت سے بہتر کوئی اور وسیع و جامع جملہ نہیں ہو سکتا تھا اس جملہ میں جو مفہوم و معنویت پائی جاتی ہے وہ کسی اور جملے میں نہیں ہے، کیونکہ لفظ "خلق" میں تمام اچھے اعمال اور امتیازات اور

---

[1] ۔ القرآن: ۶۸:۴

عبادات شامل ہیں خلق وہ صفت ہے جس میں تمام انسانی وخاندانی اور مذھبی اور معاشرتی اوصاف کی مظہر ہے، اور خدا نے ایسی صفت کے متعلق فرمایا: رسول اللہ ص اس صفت کے اعلیٰ اور عظیم درجہ پر فائز ہیں کیونکہ آیت میں خلق کا ہی لفظ نہیں ہے، عظیم کا بھی لفظ آیا ہے۔ اسطرح خدا نے اس آیت کے ذریعہ رسول اکرم ص کے امتیازی اخلاق کی دوبارہ تصدیق کی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے: "خدا نے اپنے رسول کی تربیت کی ذمیداری خود اپنے ہاتھوں میں بہترین واحسن طریقہ سے تربیت فرمائی جب تربیت کامل ہوگئی تو فرمایا: انّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیم ۔[1]

اخلاق، خصائص و عادات او اطوار کے اعتبار سے جناب رسول اللہؐ نے فقط انسانوں کے لیے اپنی سیرت اور عمل کا نمونہ ہی پیش نہیں کیا۔ بلکہ اپنی تعلیمات و ہدایات میں اچھے اور بد اخلاق کے درمیان حدود قائم کردی ہیں۔ آپؐ نے اخلاق اسوہ حسنہ کا ایک ایسا پیمانہ اور معیار مقرر کر دیا ہے جو صدیاں گزر جانے کے بعد بھی باب اخلاق میں حرف آخر ہے۔ آپؐ نے اچھے اخلاق کی وضاحت بیان فرمائی ہے، اچھی عادات کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے ہر ایک کے فوائد اور فلسفے کو بیان کیا ہے، تاکہ انسان ان فوائد سے بہرمندہ ہو کر اپنی کامیاب زندگی کو پایہء تکمیل تک پہنچائے بذات خود ان پر عمل پیرا ہو کر اس کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح نبی کریمؐ نے بد اخلاق اور بری عادات کو بیان فرمایا ہے، ان کے نتائج واثرات سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے، اور خود کو بری عادات سے محفوظ رکھ کر ہمیں برے اعمال سے گریز کرنے کی عملی تربیت دی ہے۔

نبی کریم کا اخلاق عظیم:

دنیا کی ہر خوشی بہتری، خوشحالی اور امن اور امان فقط اخلاق کی بدولت قائم ہے۔ اسی دولت کی کمی وفقدان کو حکومتی جماعتیں اپنی طاقت و قدرت اور اثر رسوخ کی حیثیت سے پورا کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اگر انسانی گروہ وجماعتیں، اپنے اخلاقی فرائض کو بذات خود انجام دیں تو حکومتوں کے جبری اصولوں اور قوانین کی کوئی احتیاج ہی نہ ہو۔ اس لیے بہترین مذہب وہ ہے جس کی اخلاقی تعلیم کا زور اور اثر اپنے پیروکاروں پر اسقدر ہو کہ وہ ان کے پاوں کو سیدھے راستے سے کبھی ڈگمگا نہ دے ہمیشہ اخلاقی راستوں پر گامزن رہنے کی تلقین کرے۔ دنیا کے تمام ادیان نے اس کی بھرپور

[1] ۔ ماھنامہ طاھرہ کراچی از erfan.ir اشاعت جنوری ٢o14 از (تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ صفحہ ۳۸۹

کوشش کی ہے اور اس کائنات کے آخری مذہب اسلام کی بھی یہی روش رہی ہے۔ نبی اعظم مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی " میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق کو نفوس اانسانی میں مکمل کر سکوں۔[1]

جس کی شہادت خدا نے قرآن میں دی:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

اور بیشک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ قول اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو "خلق عظیم "کا لقب عطا فرما رہا ہے۔

اس آیت کی تفسیر کی وسعت بیان کرنے سے ہماری عقلیں ناقص ہیں یہ جو "خلق عظیم "لقب ہے یہ لقب ہی نہیں بلکہ آنحضور نے یہ الٰہی شہادت حاصل کی۔

یہ آپ ﷺ ہی کی ذات تھی، جو اس عظیم شہادت کو قبول کرنے کی طاقت و قوت رکھتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق احادیث کی روشنی میں

خلق عظیم کی تفسیر میں حضرت ہشام بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ (رض) سے کہا: اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے متعلق بتائیے، حضرت عائشہ نے پوچھا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، حضرت عائشہ نے فرمایا: نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خلق قرآن تھا۔[2]

جن تمام چیزوں کا خدا نے حکم دیا ہے، آنحضور ان پر عمل کرتے تھے اور جن تمام کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ آپ ان اعمال سے باز رہتے تھے اور آپ کی پوری حیات طیبہ قرآن پاک کی عملی تفسیر اور تصویر تھی، آپ کی سیرت کو جامع مانع عبارتوں میں بیان کیا جائے تو وہ فقط آیات قرآنی ہیں اور اگر ہم قرآن کریم کی آیات کو انسانی پیکر کے سانچے میں ڈھالیں تو وہ پیکر حضرت محمد صلی وآلہ وسلم ہیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں: کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

---

[1]۔ تفسیر ابن کثیر اردو صفحہ ۵۳۱،۵۳۰ تالیف حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر و مترجم مولانا محمد جوناگڑھی ناشر دار المطالعہ از (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ ۱۳۹۔ باب۔ رقم الحدیث : ۷۴۶

[2]۔ تفسیر ابن کثیر اردو صفحہ ۵۳۱،۵۳۰ تالیف حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر و مترجم مولانا محمد جوناگڑھی ناشر دار المطالعہ

وسلم کی خدمت کی، آپ نے کبھی مجھ سے اف نہیں کہا، اور میں نے جو کام کیا تو کبھی مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ اور میں نے جس کام کو ترک کیا تو کبھی مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اس کام کو کیوں ترک کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق سب سے اچھے تھے۔

حضرت عائشہ روایت کرتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے کبھی کسی خادم اور غلام کو نہیں مارا نہ کبھی بیوی بچوں پر ہاتھ اٹھایا مگر خدا کی راہ میں جہاد الگ ہے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی اللہ کی حرمتوں کو توڑتا تو احکام الٰہی کو جارے کرنے کے لیے انتقام لیتے۔

خداوند متعال نے قرآن پاک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُسوہ حسنہ کو ہمارے لیے نمونہ عمل قرار دیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں نہایت ہی حسین نمونہَ (حیات) ہے۔[1]

کامیاب زندگی گزارنے کا مکمل ضابطہ حیات صرف و صرف محمد رسول اللہ کی پاکیزہ حیات مبارکہ ہی ہے۔ اللہ تعالٰی نے اس دنیا میں مثل پیمبر ایک کامل انسان نہ بنایا ہے نہ کبھی ایسا تا قیامت بنائے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر نبوت و رسالت کی تکمیل ہی نہیں ہوئی بلکہ تمام کمالات و امتیازات انسانی، خصائص اور اخلاق کو بھی پایہ تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات نے پہچایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے اپنے اوصاف حمیدہ و الٰہی کمالات سے ایسے مالامال کیا کہ آپ کے بابرکت وجود کو ساری صفاتِ الٰہیہ، اخلاق الٰہیہ کا مکمل مظہر بنایا۔

جیسا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت کا ہدف و مقصد ہی اخلاق کی تکمیل قرار دیتے ہوئے ایک نورانی ارشاد فرمایا ہے:

بعثت الیکم لاتمم مکارم الاخلاق

میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ شریفانہ اخلاق کی تکمیل کروں۔[2]

---

[1] القرآن: ۲۱\۲۲؛۲۱

[2] تفسیر التبیان؛ جلد ۸، ص ۳۲۳

شیخ الطائفہ محمد بن جعفر طوسیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اسوہ حسنہ یعنی کسی انسان میں ایسی حالت یا صفت کا کا موجود ہونا کہ جس کی اقتداء و پیروی دیگر لوگ کریں۔"اسوہ حسنہ "کا استعمال انسانوں کیلئے آئیڈیل کے طور پر ہوتا ہے۔ پس جو کوئی بھی بہترین، اور اعلیٰ نمونے کو اپناتے ہوئے اس کی اطاعت اور پیروی کرے گا تو اس فرد کے اعمال اور کردار، رفتار اور گفتار بھی نیک و صالح ہوتے جاتے ہیں۔[1]

اگرچہ سورہ احزاب کی آیت، نمبر "اکیسویں" ایام جنگ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی، اور یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت، ثابت قدمی، و پائیداری اور محکم استقلال و مشکلات کے مقابلے میں صبر و تحمل سے متعلق ہے، مگر یاد رہے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوہ ہمارے لیے نمونہ ہونا فقط اسی جنگ سے مختص نہیں ہے بلکہ آپؐ کی ذاتِ گرامی قیامت تک پوری دنیا کی بشریت کیلئے اسوہ حسنہ ہے اور نمونہ عمل ہے۔ یہ آیت اس بات کی واضح دلالت کرتی ہے کہ اسلامی علوم اور اور قوانین و مقررات کی شناسائی کا پیمانہ ء معیار آنحضرت خاتم النبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بابرکت وجود ہے۔ آنحضرتؐ کی پاکیزہ سیرت اور کردار، رفتار گفتار تمام بشر عالمیت کیلئے اسوہ حسنہ اور قابل اطاعت و اتباع ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے لیے نمونہ عمل اور اسوہ حسنہ ہونے کے عنوان حوالے سے بیان ہے

> ولقد كنت اتبعه اتباع الفصيل أثرأُمِّه يرفع لى فى كل يوم من اَخلاقِه علماً و يأ مُرنيبالاِ قتداء به
>
> اور بتحقیق میں اُن (سول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے پیچھے یوں رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے، آپ ہر روز میرے لیے اخلاقِ حسنہ کے علم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔[2]

---

[1]۔ خود سازی یعنی تزکیہ نفس اور تہذیب نفس صفحہ ۱۶ تالیف آیت اللہ ابراھیم امینی و مترجم حجتہ السلام علامہ اختر عباس، ناشر ادارہ تعلیم و تربیت از بحار الانور/ج ۴۶ ص ۳۷۵

[2]۔ نہج البلاغہ خطبہ ;q01 مترجم مفتی جعفر حسین

حضرت علی علیہ السلام نے مسلمانوں کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو اپنے لیے اسوہ حسنہ کے عنوان سے منتخب کرنے اوران کی اتباع کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:"

فتاس بنبیک الاطیب الاطھر صلی اللہ علیہ وآلہ فان فیہ اسوة لمن تاس وعزی لمن تعزی واھب العباد الی اللہ المتاسی بنبیہ المقتص لاثرہ

تم اپنے پاک و پاکیزہ پیغمبر کی پیروی کرو، چونکہ ان کی ذات گرامی پیروی کرنے والے کیلئے نمونہ اور صبر کرنے والے کیلئے ڈھارس ہے۔اُن کی پیروی کرنے والا اور اُن کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔[1]

آج کے پُرآشوب دور میں سارے مسلمانوں اور قوم وملت کا درد مند رہنے والے جوانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو اپنے لیے ہر میدان میں مشعل راہ قرار دیں۔

جیسا کہ تاریخ گواہ ہے نبی پاک ص نے جنگوں کے میدان بھی آداب کا خاص عملی طور پر مظاہرہ کر کے اپنے چاہنے والوں کو ہر پہلو سے کامل اخلاق کا درس دیا ہے۔

وہ مجسم خلق عظیم جس نے میدان جنگ میں بھی حقوق انسانی اور حرمت انسان کا پاس رکھتے ہوئے قرآنی تعلیمات کو اجاگر کیا کہ مشرکین اور کفار کی لاشوں کو بھی جنگ بدر کے میدان میں اسطرح چھوڑنا گوارا نہیں کیا چیل اور کوے انہیں کھائیں۔ بلکہ ان کے لاشوں کو کنویں میں ڈلوا کر دفن کروادیا تاکہ انکے جسموں کی بے حرمتی نہ ہو ۔ جبکہ مشرکین مسلمانوں کی لاشوں کا "مثلہ" کرتے مگر آنخضور نے آداب قتال کو بھی بنی آدم کے لیے آشکار فرمایا ہے۔آپ نے دشمن کو بھی میدان جنگ میں پیاسا قتل کرنے کی کسی مجاھد اسلام کو اجازت نہیں دی حتیٰ کہ جو زخمی دھوپ اور گرمی کی وجہ سے زمین پر ایڑیاں رگڑتے آپ مجاھدین کو حکم کرتے پہلے انہیں سایہ میں رکھو بعد میں قتل کرو۔ مقتولین کی خواتین اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے۔ آپؐ کا قیدیوں کے ساتھ

[1]۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۸. مترجم مفتی جعفر حسی

بھی بہت اچھا سلوک ہوتا جس صحابی کو آپ کفیل بناتے خاص تاکید کرتے انہیں بھوکا اور پیاسا نار کھا جائے۔'' مشہور ہے کہ جنگ خندق میں نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ کی لاش پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا بعد میں مشرکین نے خواہش کی پیغمبر ﷺ سے کچھ رقم لے کر لاش ہمارے حوالے کر دیجیے ۔مگر پیغمبر ﷺ نے فرمایا: ہمیں نہ اس لاش کی ضرورت ہے نہ اس کی قیمت کی چنانچہ مشرک لاش بغیر فدیہ کے سپرد کر دی۔[1]

عفو و بردباری:

معاف کر دینا صفات اسوہ حسنہ میں سے ایک خوبصورت صفت ہے جو بشر اس صفت سے آراستہ ہوتا ہے وہ کشادہ سینہ اور بڑے دل کا مالک ہوتا ہے۔ نادان اور نافہم لوگوں کی نادانیوں سے گریز کرنے والا حلیم و بردبار ہوتا ہے۔

خداوند عالم نے سید الانبیاء ص کے عفو ، حلم و بردباری کا ذکر اپنی مقدس کتاب میں فرمایا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ أَعْرِضْ عَنِ الْجاهِلين

(اے نبی) در گزر سے کام لیں، نیک کاموں کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔[2]

روایت میں مذکور ہے کہ جناب عائشہ فرماتی ہیں: سرور کائنات ص نے کبھی کسی سے اپنا انتقام نہیں لیا۔[3]

فتح مکہ کے موقع پر دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح خاتم النبی نے کس طرح اپنے دشمنوں سے بخشش و بردباری کے ساتھ حسن سلوک رواں رکھا، جہاں دیگر لوگ اپنے دیرینہ دشمن، مشرکین و کفار مکہ سے انتقام لینے کے خواہش مند تھے وہاں وہاں رحمت العالمین ص نے عفو و بخشش کا برملا اعلان فرمایا۔ جبکہ یہ وہی رؤ سائے قریش اور مکہ کے مشرکین ملکر آپ ص کو ایذا رسانی کرتے رہے اگر آپ عبادات انجام دیتے تو آپ پر ہنستے کبھی پتھروں سے زخمی کرتے کبھی سر پر خاک و خاش ڈالتے تو

---

[1]۔ تاریخ اسلام حصہ سوم صفحہ ۳۰۷ مصنف سید العلماء سید مولانا علی نقی النقوی مرحوم ناشر امامیہ دار التبلیغ اشاعت ۱۹۹٦ء از (طبری قدیم ایڈیشن جلد ۳ صفحہ ۴۹ تازہ ایڈیشن جلد ۲ صفحہ ۵۷٦

[2]۔ القرآن: ۱۹۹\۹ء۸

[3]۔ تفسیر ابن کثیر اردو صفحہ ۵۳۱ء۵۳۰ تالیف حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر و مترجم مولانا محمد جوناگڑھی ناشر دار المطالعہ

کبھی شاعر اور مجنوں جیسے القابات سے نوازتے اور قتل کرنے کے منصوبے بناتے حتیٰ کہ جب مکہ کو چھوڑا تو تعاقب میں مشغول رہتے جنگوں کے ذریعے شہر مدینہ پر چڑھائی کرتے لیکن آج آپکی عظمت اور طاقت کے سامنے شکستہ ہو کر ہتھیار ڈالے کھڑے تھے۔ تب نبی کریم نے فرمایا: ’’ اے گروہ قریش تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟۔ انہوں نے کہا نیک خیال ہے۔ فرمایا شریف بھائی اور شریف بھائی کے فرزندوں اچھا جاؤ سب کو چھوڑ دیتا ہوں[1] یہ عفو عام کا تاریخی ایسا اعلان ہے جس کی مثال نہیں مل سکتی نیز فرمایا اللہ تمہیں معاف کرے اور رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحیم ہے۔[2]

اس معافی کا اعلان کے بعد دنیا نے يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجاً کا حسین و جمیل منظر دیکھا۔[3]

حبیب خدا دین اسلام کی ترویج کی خاطر متعصب جاہل و پست ذہنیت کے مالک افراد کا سامنا کرتے رہے ، تہمتوں کو برداشت کرتے رہے، پتھر سے لہولہان ہوتے رہے ، جاہلانہ روش کو بردباری صبر کے ساتھ درگزر کرتے رہے لیکن خلق عظیم کے درجے پہ فائز نبی پاک نے نادان وکم فہم افراد پہ فتح حاصل کرنے کے لئے صبر ،استقامت و حوصلہ ،ثابت قدم رہنے کا راستہ اختیار کیا، صبر تحمل، بُرداشت و حوصلہ و بردباری نے جہالت کے تاریکی میں سونے والوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا، متعصب افراد کے دلوں میں بڑھکتی ہوئی حسد کی شعلہ آور آگ کو سرد کر دیا اور جس کے بعد پرچم توحید سرفرازی کے ساتھ کر رفتہ رفتہ افق کائنات پہ لہراتے ہوئے رسول اکرم کی کامیابی کا پیغام دیتا رہا۔

---

[1]۔ تاریخ اسلام حصہ چہارم صفحہ ۴۴۲ مصنف سیدالعلماء سید مولانا علی نقی النقوی مرحوم ناشر امامیہ دار التبلیغ اشاعت ۱۹۹۶ء از (مروج الذہب جلد ۱ صفحہ ۴۱۸)

[2]۔ تاریخ اسلام حصہ چہارم صفحہ ۴۴۲ مصنف سیدالعلماء سید مولانا علی نقی النقوی مرحوم ناشر امامیہ دار التبلیغ اشاعت ۱۹۹۶ء از (مروج الذہب جلد ۱ صفحہ ۴۱۸)

[3]۔ تاریخ اسلام حصہ چہارم صفحہ مصنف سیدالعلماء سید مولانا علی نقی النقوی مرحوم ناشر امامیہ دار التبلیغ اشاعت ۱۹۹۶ء از (۴۴۳ از اعلام الوریٰ صفحہ ۱۱۸)

انسانیت سے ہمدردی:

انسانوں سے ہمدردی انسانیت کا تقاضہ اور ایمان کی پختگی کی نشانی ہے۔رسول خدا کا اپنی امت کے بہت ہی گہرا رشتہ تھا, کمزور ایمان والوں کو دیکھتے تو اس کے ایمان کو مضبوط و محکم بنانے کی بھرپور کوشش کرتے ,انکی ہدایت کے لئے مسلسل جدوجہد کیا کرتے تھے, جسے قرآن نے یوں بیان کیا:

فَلَعَلَّكَ باخِعٌ نَفْسَكَ عَلى آثارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهذَا الْحَديثِ أَسَفا

پس اگر یہ لوگ اس (قرآنی) مضمون پر ایمان نہ لائے تو ان کی وجہ سے شاید آپ اس رنج میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیھٹتے۔[1]

رسول خدا کی آرزو تھی کہ انسان اسلام کی دولت سے مالا مال اور اس دنیا میں عزت ایمانی کا سرچشمہ ہو،آنحضور ص محزون ہو جاتے کہ کیوں نہ قرآن واسلام جیسے چشمہ آب حیات کے ہوتے ہوئے بھی بشریت تشنگی نہ بجھاے؟

پیغمبر گرامی مخالفوں اور دشمنان اسلام کے اسلام قبول نہ کرنے کے باعث سے غمگیں ہو جاتے تھے،اس موقع پر خداوند عالم نے آپ ص کی دلجوئی فرمائی اور فرمایا:

وَ لا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لا تَكُنْ في‏ ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ

اور (اے رسول) ان (کے حال) پر رنجیدہ نہ ہوں اور نہ ہی ان کی مکاریوں پر دل تنگ ہوں۔[2]

رسول خدا انسانوں کی ہدایت وراہنمائی کے عاشق و بشریت کے حمایت کرنے والے اور مددگار تھے۔

پیغمبر اکرم دشمنوں کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے غمگیں ہو جاتے تھے, ان کے ایمان نہ لانے پہ رنجیدہ ہو جاتے تھے۔آپؐ شروع سے ہی مظلوم کی مدد کرنا اور حقدار کو حق دلانے کے حامی اور حمایت کرنے والوں کا ساتھ دینے والے تھے۔

---

[1]۔ القرآن: ۶\۱۶ء۱۵

[2]۔ القرآن: ۷۰\۲۰ء۱۹

قبل بعثت رسالت سے پیغمبر اکرم ﷺ کی بلندیِ کردار اور پاکیزگی کا تاریخ کے اوراق سے مشاہدہ کیا جاسکتا کہ جاہلیت کے غلط رسوم عادات سے آپ قطعی بے تعلق تھے انصاف امانتداری حسن معاشرت حقوق معاشرات کی ادائیگی حلم و برداشت اور راست گوئی اور مظلوموں کی مدد کرنے میں تمام قوم کے افراد سے خاص امتیاز تھا۔ جب قریش کے درمیان وہ معاہدہ ہوا جسے "حلف فضول" کہتے ہیں۔ قریش کے تمام قبائل نے شرکت کی اور عہد کیا کہ ہم مظلوموں کی مدد کریں گے چاہے وہ دیسی ہوں یا پردیسی اور حقدار کے حق کی حمایت کریں گے جب تک اسکا حق نہ ملے چین نہ لیں گے اس تحریک کی بنیاد رسول اکرم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے رکھی تاریخ عرب میں یہ پہلا شریفانہ اصول پر معاہدہ تھا رسول خدا ﷺ نے اس عہد میں شرکت فرمائی اور مسرت کا اظہار کیا مبعوث بر سالت ہونے کے بعد بھی اس معاہدے کے علمبردار رہے۔[1]

امت کے لیے رؤف ورحیم :

اللہ تعالی نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی نرم دل و مہربان شفیق بنا کر بھیجا ہے، آپ اپنی امت کے لئے سراپا رئوف، رحیم وکریم ہیں، امت کی تکلیف، یا سختی اور شدت آپ کو ناگوار گزرتی ہے۔

جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی موجود ہے:

۱: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

یہ خدا کی مہربانی ہے جو آپ ان لوگوں کے لیے نرم اور مہربان ہیں اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ سے دور بھاگ گئے ہوتے۔[2]

خداوند متعال نے اس آیت میں رسول اکرم ﷺ کی براداشت اور تحمل مزاجی اور نرم دلی کی تعریف فرمائی بعثت رسالت کے بعد حضور اکرم ﷺ پر طرح طرح کی مصیبتیں اور مشکلات آن پڑی آپؐ نے کفار و مشرکین کی دی ہوئی جسمانی اور روحانی اذیتوں اور مصائب کو انتہائی تحمل

[1]۔ تاریخ اسلام حصہ اول صفحہ ۴۵ مصنف سید العلماء سید مولانا علی نقی النقوی مرحوم ناشر امامیہ دار التبلیغ اشاعت ۱۹۹۶ء (از ماخذ طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۸۲)

[2]۔ القرآن: ۴\۱۵۹، ۳

سے برداشت کیا۔ ایک دن مشرکین میں سے ایک آدمی نے رسول مقبول ص کو گلی میں دیکھا تو کوڑا کرکٹ اٹھا کر آپؐ کے سر پر ڈال دیا۔ پیغمبر ﷺ نے اسے کچھ نہ کہا اور گھر چلے آئے آپ کی دختر فاطمہ سلام علیہا تیزی سے آپ کے پاس پہنچیں اور پانی لا کر اشک بار آنکھوں سے آپ کے سر مبارک کو دھویا پیغمبر اسلام نے فرمایا بیٹی مت روؤ مطمئن رہو کہ خدا تمہارے پدر کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا اور کامیابی عطا کرے گا۔[1] یہ تھا مشرکین کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کا تحمل اور برداشت۔ نہ صرف یہ بلکہ توہین کی حد یہ تھی کہ مشرکین آپؐ کو مجنون اور جادوگر کہہ کر پکارتے جیسا کہ خدا نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

۲: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ

جو بھی تم سے پہلے رسول آیا اسے جادوگر یا مجنوں کہا گیا۔[2]

حتیٰ کہ رسول کو کاہن اور شاعر بھی کہا گیا مگر آپ توہین کرنے والوں کے لیے بھی دعا کرتے تھے۔ سید الانبیاء رحمت دوعالم گستاخی کرنے والوں کے لیے بھی سراپا مجسم رحمت تھے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ”بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے، عظیم الشان رسول تشریف لائے، جو چیز تمہیں مشقت میں ڈالے، وہ انہیں بہت ناگوار گزرتی ہے تمہاری بھلائی کے بہت ہی متمنی ہیں۔ مومنوں پر بہت ہی مہربان و رحیم ہیں“۔[3]

آپؐ اسقدر رحیم و مہربان تھے کسی کی بھی مشقت آپؐ پر گراں گذرتی تھی

٤. وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور (اے رسولِ!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔[4]

---

[1]۔ زہرا(س) اسلام کی مثالی خاتون صفحہ ۵۲ مصنف علامہ ابراھیم امینی ناشر دار لثقافتہ اسلامیہ پاکستان اشاعت جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ۔ نومبر ۱۹۹۶ء از (شافی جلد ۲ صفحہ ۱۴۹)

[2]۔ القرآن: ۱۳۲\۵۲

[3]۔ القرآن: ۱۲۸\۱۱ا۱۰ء

[4]۔ القرآن: ۱۷\۲۱

خدا کی ذات رحمان ورحیم ہے اور خاتم النبی ص کو بھی تمام جہانوں کے لیے رحمت عالمین بنا کر بھیجا ایک روایت میں ہے کہ :

حضرت سلمان بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے ''رَحْمَةً العالمین (تمام جہانوں کے لئے رحمت) بنا کر بھیجا۔''[1]

آپ ساری مخلوق کے لیے، رحمت العالمین تھے۔ مؤمنوں اور گناھگاروں نیز کفار و مشرکین کے لیے بھی رحمت العالمین تھے۔

اُمّ المؤمنین جناب عائشہ بیان کرتی ہیں کہ اُنہوں نے رسولِ خدا کی خدمت میں عرض کیا: کیا جنگِ اُحد کے دن سے بھی سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہاری قوم سے بڑی تکلیفیں پہنچی ہیں اور مجھ پر سب سے زیادہ سخت دن یومِ عقبہ کا تھا، جب میں نے خود کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا تو اس نے میری بات سے انکار کیا۔ میں (طائف سے) واپس چلا آیا اور پریشانی کے آثار میری پیشانی سے عیاں تھے۔ اچانک میں نے دیکھا تو میں قرن الثعالب میں تھا۔ میں نے اپنا سر بلند کیا تو بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن تھا۔ میں نے اس کے اندر جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ اُس نے مجھے ندا دی اور عرض کیا: (یا رسول اللہ!) بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ آپ کی قوم کی گفتگو اور اُن کا جواب سن لیا ہے، للٰذا آپ کی خدمت میں پہاڑوں پر مامور فرشتے کو بھیجا ہے، تاکہ آپؐ اِسے کافروں کے متعلق جو چاہیں حکم فرمائیں۔ پھر پہاڑوں پر مامور فرشتے نے مجھے صدا دی اور سلام عرض کیا اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کی مرضی پر منحصر ہے، اگر آپ چاہیں تو میں اخشبین (پہاڑ) کو اُٹھا کر اُن کے اُوپر رکھ دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (نہیں) بلکہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اَصلاب (نسلوں) سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔[2]

---

[1]۔ أخرجه أبو داود فی السنن، کتاب السنة، باب النهی عن سبّ أصحاب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، ۴ /۲۱۵، الرقم: ۴۶۵۹، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۵ /۴۳۷، ۲۶۸، الرقم: ۲۳۷۵۷، ۲۲۳۶۱، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۸ /۱۹۶، الرقم: ۷۸۰۳، وأبو نعیم فی دلائل النبوة، ۱ /۴، الرقم: ۱، والمنذری فی الترغیب والترهیب، ۳ /۱۸۱، الرقم: ۳۵۸۳، وابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ۱ /۴۱۵، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۵ /۶۹، والسیوطی فی الدر المنثور، ۵ /۶۸۸.

[2]۔ أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، ۳ /۱۱۸۰، الرقم: ۳۰۵۹، ومسلم فی الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب ما لقی النبی صلی الله علیه وآله وسلم من أذی المشرکین والمنافقین، ۳ /۱۴۲۰، الرقم: ۱۷۹۵، والنسائی فی السنن الکبری، ۴ /۴۰۵، الرقم:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر چشمہ رحمت دو جہاں نے ان کے لیے دست دعا بلند کیے قرآن نے اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

٥: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآن حالیکہ آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں۔[1]

٦. يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِه فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْاط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

”اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور ان (بیماریوں) کی شفاء آگئی ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہیں اور ہدایت اور اہلِ ایمان کے لیے رحمت (بھی)۔ فرما دیجئے: (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس (سارے مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔[2]

اس آیت میں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کے لیے باعث رحمت قرار دیا گیا ہے

٧. وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

اور اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔[3]

٢٠٦٧٧، وابن حبان فی الصحیح، ١٤/ ٥١٦، الرقم: ٦٥٦١، وأبو عوانة فی المسند، ٤/ ٣٤٠، الرقم: ٦٩٠٢، والطبرانی فی المعجم الأوسط، ٨/ ٣٧٠، الرقم: ٨٩٠٢.

[1] القرآن: ٣٣\١٠ء٩

[2] القرآن: ٥٧-١١\٥٨

[3] القرآن: ٣\١٣٢

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے اللہ اور اسکے بیجھے ہوئے محبوب کی اطاعت کرنا بھی خدا کی رحمت کو حاصل کرنے کا سبب ہے۔

۸. وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِط وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔[1]

رسول خدا ﷺ کا پورا وجود ہی سراپا رئوفیت اور رحمت کا حامل ہے آپ کے وسیلہ سے گناھگاروں کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

صبر و تحمل:

دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ زندگی کے ہر پہلو اور اطوار کے معاملے میں پیغمبر صلی علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی فرمائی اور ہر زمان، مکان و حالات کے مطابق بذریعہ وحی دین اسلام کو مکمل کرتے ہوئے احکام نازل فرمائے۔ یہ وہ احکام تھے جن کی تعمیل لازمی اور اسی طرح ممنوعات کو آشکار و واضح کیا جن سے اجتناب کرنا بے حد ضروری ہے۔

انسان کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے اسے دو حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ بسا اوقات اسے اطاعت پر انعام سے نوازا جاتا ہے تو کبھی نافرمانیوں اور سرکشی کی بنا پر آزمائش کے طور پر مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ یہ خوشی اور غم بشری زندگی کا لازمی جزو ہیں۔ انبیائے کرام سے لے کر، اصحاب کرام، سلف صالحین اور عام لوگوں کے ساتھ بھی یہ چیزیں وابستہ ہیں، یعنی کوئی بھی بشر ان حالات

[1] ۔ القرآن: ۶۱\۶۴، ۵، ۴

سے محفوظ نہیں۔ بحیثیت مسلمان ہم پر فرض ہے کہ ہم زندگی کے ہر لمحہ اور معاملے میں نبی کی سنت کے دامن کو نہ چھوڑیں۔ اسوۂ حسنہ پر ایمان رکھتے ہوئے زندگی گزاریں۔ تکالیف پر صبر اور عنایات پر شکر کریں۔

جب انسانوں پر کوئی تکلیف یا مشکل آتی ہے تو وہ ناشکرے ہو جاتے ہیں اور واویلا کرتے ہیں۔ تعلیماتِ اسلام اور اسوہ رسول کو فراموش کر چکے ہیں کہ نبی مرسل صلی علیہ وآلہ وسلم صبر جمیل کا پیکر تھے۔ لیکن بعض مسلمان اور اہل ایمان ان مصائب، آفات و مشکلات میں بھی صبر جمیل کا دامن تھامے رکھتے ہیں اور رب ذوالجلال کے اور اپنے آقائے دوجہاں کے محب بن جاتے ہیں۔ صبر، تحمل و برداشت اخلاقی صفات میں سے ایک حسین و جمیل صفت ہے یہ صفت خداوند متعال کو اتنی پسند ہے کہ اپنے محبوب نبی پیمبر کو صبر اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے:

''واصبر علىٰ ما يقولون واهجرا هم هجرا جميلا''

ترجمہ: اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو ان کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرو۔[1]

حفص سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا: اے حفص کسی بھی کام میں صبر کا دامن نہ چھوڑنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور صبر کرنے کا حکم فرمایا۔[2] جیسا کہ قرآن میں ہے:

اللہ کی ذات نے ارشاد فرمایا:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ.

(اے حبیب ﷺ!) اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر کیا کیجئے۔[3]

سرور دوجہاں نبی مرسل ص زندگی کے تمام مراحل میں صبر و برداشت کا مظاہرا فرمایا۔ کبھی پتھر کھاتے رہے تو کبھی منافین سے گالی گلوچ سنتے کبھی آپ کا مذاق اڑیا جاتا یہاں تک کہ مشرکین نے تہمتیں لگائیں جس پر نبی کو اتنی تکلیف پہنچی کہ آیات سے خدا نے اپنے محبوب نبی ص کو حوصلہ دیتے ہوار شاد فرمایا:

1۔ القرآن: ۲۹\۱۰

2۔ مضمون اسوہ حسنہ از محمد امین شہیدی ماخوذ از رسالہ المعصوم پبلشر رسول بخش حسینی اشاعت مارچ، اپریل ۲۰۰۹ء

3۔ القرآن: ۵۲: ۴۸\۲۷

۱:قد نعلم انه لیحزنک

ترجمہ: ہم جانتے ہیں کہ آپ غمزدہ ہو جاتے ہیں۔[۱]

۲: ولقد کذبت رسل من قبلک فصبروا علیٰ ما کذبوا و اوذوا حتی اتاھم نصرا

بے شک آپ سے پہلے رسولوں کو جھوٹا کہا گیا مگر ان پر صبر کیا انہیں اذیتیں پہنچائی گئیں یہاں کہ انہیں کی خدا مدد نصیب ہوئی۔[۲]

حضور اکرم ختمی النبی نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی اپنے خاندان اور عزت کے بارے میں صبر کیا مگر پر اپنے معبود کے متعلق قبیح و نازیبا باتوں پر کیسے صبر کروں؟ اس مقام پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۳: فاصبر علیٰ مادی یقولون

(اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کچھ وہ کہتے ہیں صبر کرو۔[۳]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام حالات پر صبر فرمایا صبر اور تحمل کے رویہ اپناتے ہوئے دین اسلام کی ترویج و فروغ دینے میں کامیاب ہوتے رہے اور کیوں نہ ہوتے کہ خدا بھی صابرین بندوں کے ساتھ ہوتا ہے صبر ایک ڈھال و سپر ہے۔ بے صبر ہونے سے زندگی کا سفر دشوار ہو جاتا اور نہ منزل ملتی ہے۔ اور رسول ص کی منزل تھی خدا کے آخری دین اسلام کو ساری دنیا میں رائج کرنا کلمہ حق کو بلند کرنا جب منزل تک پہنچنا ہے تو پہلی تلقین ہی صبر ہے اس لیے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ

بے شک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔[۴]

پوری امت کے لیے رسول خدا کی زندگی کے ہر باب میں نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے اور انکی پیروی کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

تم لوگ اپنے طیب و طاہر پیغمبر کی پیروی کرو چونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والوں کے لیے بہترین نمونہ اور صبر و سکون کے طلب گاروں کے لیے بہترین

---

[۱]۔القرآن: ۳۳\۸۱ء۷

[۲]۔القرآن: ۳۴\۸۱ء۷

[۳]۔القرآن: ۳۹\۲۶

[۴]۔القرآن: ۱۵۳\۳۱ء۲ء۱

سامان صبر و سکون ہے ،اللہ کی نظر میں محبوب ترین بندہ وہ ہے جو اس کے رسُول کی پیروی کرے اوران کے نقش قدم پر قدم آگے بڑھائے۔[1]

تواضع وانکساری:

تواضع یہ ہے کہ انسان کتنا بھی اعلیٰ عہدے پر فائز ہو لیکن ادنی رتبہ افراد کے ساتھ مل جل کر رہے ،انسان صاحب فضیلت ہو کر عام لوگوں سے دوری اختیار نہ کرے اور نہ ان کو خود سے دور کرے،تواضع وعاجزی شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہے کہ آپ افضل البشر ،سید الانبیاء، سیدالمرسلین، خاتم النبیین اور شفیع المذنبین اور رحمۃ للعالمین کے درجات حاصل ہونے کے باوجود اور عالم انسانیت پر اپنی فضیلت کے مسلم ہونے کے باوجود خود کو دوسرے لوگوں میں مساوی رکھااور خود کوایک عام بشر ہونا ظاہر کیااور تواضع کی بناء پر اپنی فضیلت کاان کواحساس نہ ہونے دیا۔ اگر کوئی آپؐ کے اعلیٰ مرتبہ کااظہار بھی کرتاتوآپ اس سے اعراض کرتے درحقیقت اسی طرز عمل کانام اور خلق کے اس سلوک کانام تواضع وانکساری ہے۔

تواضع یہ ہے کہ ہر ممکنہ کوشش کریں اپنی فضیلت و برتری اور مقام منزلت کو چھپایاجائے۔ بلند افضل ہو کر خود کو معمولی ظاہر کیا جائے،اعلیٰ خود کوادنی تصور کرے،عالم خود کو طالب علم سمجھے۔ اور باتقوی وپرہیزگار خود کو گنہگار ظاہر کرے۔فرمانبردار ہو کر بھی خود کو سیاہ کار بتایا جائے تواس کو تواضع کہتے ہیں۔

عجزوانکساری انسان کے اندر موجود غرور کی ضد کانام ہے۔تواضع کے عمل سے انسان کے اندر موجود غرور جیسی سرکشی اور باغی صفت دم توڑتی ہے۔۔عاجزی انسان کی معاشرتی ظاہری اور باطنی زندگی میں ایک لطافت پیدا کرتی ہے اور انسان کو خاکسار بناتی ہے اور اپنی چال ڈھال میں عاجزی کو فروغ دیتی ہے۔تواضع کے ذریعے انسان دوسروں کو قابل احترام واکرام سمجھتاہے۔دوسروے لوگوں کی عزت ورفعت کرتاہے۔ تواضع کاخلق اور عمل انسان کواللہ کی بندگی میں پختہ محکم کرتا ہے،تواضع انسان کواللہ کے حضور سر تسلیم خم کرتا ہے۔

خداکاارشاد ہے:

[1]۔ نہج البلاغہ مترجم مفتی جعفر حسین خطبہ نمبر ۱۵۸ صفحہ ۱۳۲

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

"اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔[1]

یعنی عبادالرحمٰن ان لوگوں کی صفت ہے جو آہستہ قدموں اور ہر قسم کے غرور تکبر کے سے عاری خدا کی بنائی ہوئی زمین پر چلتے ہیں۔

تواضع کا مطلب ہے، عاجزی وانکساری اور اس کی ضد تکبر غرو اور خود پسندی ہے جو غرور، غافل ہونے کی علامت اور سرکشی کی موجب بنتی ہے، جس کی بنا پر ایک بشر گمراہ، بے راہ رو اور تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

تواضع وانکساری دو طرح کی ہوتی ہے:

۱:- خدا کے سامنے عاجزی وانکساری، عبادات و بندگی کے بنیادی خصائل میں سے ہے، اور جس کے بنا پر بندگی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا۔

۲:- ایماندار انسانوں کے ساتھ انکساری اور فروتنی سے پیش آنا یا پھر ایسے افراد کے مقابل تواضع جن کے مقابل عاجزی وانکساری کا اظہار مثبت اثرات کا حامل ہو تا کہ ان میں اعلیٰ اقدار وصفات کی جانب رغبت کا سبب بنے۔

خدا کے حضور تواضع وانکساری

عاجزی اور انکساری کی علامت یہ ہے کہ انسان اسکے فرامین واقوال پر تسلیم کرے، اور اسکی عظمت کے سامنے خضوع وخشوع کا اظہار کرے خدا کی بارگاہ میں شاکر گزار رہے اور خدا کی مرضی کو اپنی مرضی اور خواہش نفس پر مقدم رکھے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے روایت کی گئی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پروردگارِ عالم کی عظمت و بزرگی کے سامنے انتہائی تواضع وعاجزی کے

[1]۔ القرآن: ۶۳\۱۸ء۹۱

حامل تھے، حتیٰ کہ جب خداوند متعال نے آپ کو اختیار دیا کہ پیغمبر اور بندہ بن کر رہیں یا رسول اور بادشاہ بن کر کسی صورت میں خدا کے یہاں ان کے مقام میں منزلت میں کوئی کمی نہیں ہو گی،اس وقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بندگی اور رسالت کا انتخاب فرمایااور خدا کا عاجز بندہ اور رسول بننے کو ترجیح دی

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

ماأكل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم متّكئاً منذبعثه الله عزّوجلّ نبيّاً حتّى قبضه الله اليه، متو اضعاًلله عزّوجلّ

جب سے رسول اللہ رسالت کے لیے مبعوث ہوئے تھے،اس وقت سے اپنی عمر کے آخر تک خداوندِ عالم کے سامنے عاجزی وانکساری کی بناپر کبھی آپ نے کسی چیز پر ٹیک لگاکر غذا تناول نہیں فرمائی۔[1]

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند غلاموں کے ساتھ زمین پر دو زانوے تشریف تھے، کھانا تناول کر رہے تھے کہ وہاں سے ایک گستاخ عورت گزری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح تشریف فرمادیکھ کر اس عورت نے کہا :اے محمد! خدا کی قسم آپ بندوں (غلاموں) کی مانند کھانا کھارہے ہیں اور انہی کی مانند بیٹھے ہوئے ہیں (یعنی آپ کی روش اور انداز بادشاہوں اور حکمرانوں کاسانہیں ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جواب دیا:

ويحک ایّ عبداعبدمنّی

وائے ہو تجھ پر، کونسا بندہ مجھ سے بڑھ کر بندہ (غلام) ہوگا۔[2]

خداوندِ عالم نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایاہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا

اور روئے زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ نہ تم زمین کو شق کر سکتے ہو اور نہ سر اٹھا کر پہاڑوں کی بلندیوں تک پہنچ سکتے ہو۔[1]

[1]۔ کحل البصر ص حدیث ۱۰۰ صفحہ ۱۰۱ از محدث قمی

[2]۔ الغارت جلد ۱ صفحہ ۹۱ از ابراہیم محمد بن ثقفی

تواضع وانکساری اور فروتنی وخاکساری کا اظہار متقین کی خاص اوصاف میں سے ایک صفت ہے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے متقین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

ومشیهم التّواضع

اوران کی چال منکسرانہ ہوتی ہے۔[۲]

رسولِ کریم ﷺ کی انکساری کی ایک حسین جھلک

سیرت رقم کرنے والوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں لکھا ہے کہ: ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گروہ کے پاس گئے (وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے) آپؐ کو اپنے درمیان دیکھ کر وہ لوگ احتراماً ایک ساتھ کھڑے ہوئے رسول کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمل کو پسند نہ کیا اور فرمایا: اِس طرح نہ کھڑے ہوا کریں جس طرح اہلِ عجم ایک دوسرے کی تعظیم واکرام میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد پھر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر ایسے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی محفل میں آتے تو اس مجلس میں کمتر درجے کی جگہ پر تشریف فرما ہوتے۔[۳]

ربّ پر بھروسہ:

رسول اکرم وسیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں سے ایک صفت جو نمایاں تھی وہ یہ تھی کہ "خدا ہی پر بھروسہ "(توکل) کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خدا کا ارشاد ہے:

الیس الله بکاف عبده

کیا اپنے بندے کے لیے اللہ کافی نہیں ہے۔[۴]

---

[۱]۔ القرآن سورہ بنی اسرائیل ۷ ۱۵\۳

[۲]۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲ مترجم مفتی جعفر حسین

[۳]۔ کحل البصر صفحہ ۷۷ از محدث قمی

[۴]۔ القرآن: ۳۶\۲۴ء ۲۳

نیز خدا نے فرمایا:

وتوکّل علی العزیز الرّحیم .الّذی یرٰک حین تقوم.وتقلبک فی السّٰجدین

اور غالب و رحیم اللہ پر ہی بھروسہ کیجیے جو آپ کو اس وقت بھی دیکھتا رہا ہے جب آپ نبوت پر قائم ہوئے اور سجدہ کرنے والوں (کے صلب و رحم میں) آپ کے منتقل ہونے کو (بھی دیکھتا رہا)۔[1]

یقیناً نبی کریم اسی طرح خدا پر توکل و اعتماد کرتے تھے جیسا کہ اللہ کے کلام کو پیش کیا گیا ہے۔ جناب جابرؓ سے روایت ہے ہے کہ انہوں نے فرمایا "ایک دن ہم ذات الرقاع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہمراہی میں ایک سایہ دار درخت دیکھا اور اسے رسول کریمؐ کے لیے چھوڑ دیا۔ پیغمبر گرامیؐ نے درخت پر اپنی تلوار لٹکا دی اور آرام کرنے لگے۔ کہ ایک مشرک نے تلوار کو اٹھالیا اور رسول مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہنے لگا: آپ مجھ سے ڈرتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ بچائے گا۔ یہ سن کر اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر پڑی۔ تلوار آپؐ نے اٹھالیا۔ اور فرمایا: اب تجھے کون میرے ہاتھ سے بچائے گا؟ اس نے کہا: مجھ پر احسان کیجیے، آپؐ نے فرمایا: کیا تم یہ گواہی نہیں دوگے کے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: یہ گوہی نہیں دوں گا لیکن میں یہ عہد کرتا ہوں آپ سے کبھی جنگ نہیں کروں گا اور ان لوگوں کا ساتھ نہیں دوں گا جو آپؐ سے جنگ کرتے ہیں۔ آپؐ نے اسکا راستہ چھوڑ دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہنے لگا: میں سب سے زیادہ نیک آدمی کے پاس سے آرہا ہوں۔[2]

حضرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بے مثال زہد:

خدا کا ارشاد ہے:

---

[1]۔ القرآن: ۲۱۹ء۲۱۷\ ۱۹

[2]۔ ریاض الصالحین (نُوَوی) صحیح مسلم جلد ۴ حدیث ۸۷ ۱ از ماخوذ موضوع حضور ختمی مرتبت کے اوصاف حمیدہ۔ مصنف سید رفیق عباس ۔ماھنامہ طاھرہ کراچی اکتوبر ۲۰۲۱ پبلیکشنز علم و عمل

ولاتمدن عينيک الیٰ ما متعنا به ازواجا منهم زهره الحیٰوت الدنیا لنفتنهم فيه ورق ربک خير وّ ابقیٰ -

اور وہم نے ان میں سے بعض کو دنیوی زندگی کی رونق سے مالامال کر دیا۔ آپؐ انکی طرف اپنی نگاہ نہ ڈالیں۔ اس لیے کہ اس کے ذریعہ سے ہم انہیں آزمائیں گے اور آپؐ کے پروردگار کا رزق اس سے کہیں بہتر اور باقی رہے رہنے والا ہے۔[1]

ابوامامہ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: " مجھے میرے رب کا پیغام ملا ہے کہ میں بطحائے مکہ کو تمھارے لیے سونے سے بھر دوں؟ آنحضور نے فرمایا: نہیں میرے معبود میں ایک دن شکم سیر اور ایک دن بھوکا رہنا چاہتا ہوں۔ جب مجھے بھوک لگے تو تیرے حضور میں تضرع وزاری کروں اور جب شکم سیر ہوں تو تیری بارگاہ میں حمد و شکر ادا کروں[2] آپؐ اپنی چٹائی پر محوخواب ہوتے تھے اس وجہ سے آپؐ کے پہلو مبارک میں درد ہو گیا۔ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ! ہم آپ کے لیے فرش فراہم کر دیں؟ فرمایا: دنیا (کی لذتوں) سے میرا کیا واسطہ؟ [3]ابن عباسؓ سے رویت ہے کہ رسول اللہ کئی دن بھوکے رہتے تھے اور آپؐ اور اکثر جوٗ کی روٹی کھاتے تھے۔[4]

صادق وامین

رسول اعظم، سیدالکونین حضرت محمدِ مصطفٰی ص کی سیرتِ طیبہ پوری بشریت کیلئے حسنِ اخلاق کی عملی پیکر کی حیثیت سے اتباع کا کامل نمونہ ہے -چاہے وہ خلق صدق و صداقت ہو، دیانت داری ہو، امانت داری ہو، ، جود و سخا ہو، یا عدل و انصاف ہو، شجاعت و بہادری ہو، عفو و درگزر ہو، حلم و

---

[1]۔ القرآن: ١٦\١٣١

[2]۔ سنن ترمذی جلد ۴ حدیث ۲۳۷۷ از ماخوذ موضوع حضور ختمی مرتبت کے اوصاف حمیدہ۔ مصنف سید رفیق عباس۔ ماھنامہ طاھرہ کراچی اکتوبر ۲۰۲۱ پبلیکشنز علم و عمل

[3]۔ سنن ترمذی جلد ۴ حدیث ۲۳۷۷ ۳ از ماخوذ موضوع حضور ختمی مرتبت کے اوصاف حمیدہ۔ مصنف سید رفیق عباس۔ ماھنامہ طاھرہ کراچی اکتوبر ۲۰۲۱ پبلیکشنز علم و عمل

[4]۔ سننے ترمذی جلد ۴ حدیث ۲۳۶۰ از ماخوذ موضوع حضور ختمی مرتبت کے اوصاف حمیدہ۔ مصنف سید رفیق عباس۔ ماھنامہ طاھرہ کراچی اکتوبر ۲۰۲۱ پبلیکشنز علم و عمل

بردباری ہو[1] جتنے بھی ارفع اخلاق و صفات حمیدہ ہیں حضورؐ کی ذاتِ مبارکہ میں مجتمع فرمادیے گئے ہیں۔

دین اسلام میں صدق وصداقت کو ایک اہم ترین اور خاص وسیع مقام حاصل ہے

صدق یعنی سچائی اور کذب یعنی جھوٹ ایک دوسرے متضاد چیز ہے۔صدق کو ایمان والوں کی صفت اور جھوٹ منافقین کی نشانی ہے۔ جھوٹ کی بنیادی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو حقیقت کے برعکس بیان کرنا یا ایسی خبر کرنا جو واقع کے برخلاف ہو۔سچ کی تعریف یہ ہے کہ حقیقت کے سوا کچھ نہ کہنا بلکہ ایسی مخبری کرنا جو واقع کے مطابق ہو۔رسول اعظم ص نے اعلان نبوت سے پہلے ہی مکہ والوں سے اپنی صداقت وامانت کا لوہا منوایا، کہ وہ لوگ جو آپ کے مشن کے اور ہدف کے تو مخالف تھے مگر ذات کے مخالف ہرگز نہ تھے مشرکین آپ کو "امین و صدیق" تو مانتے تھے مگر آپ الہیٰ پیغمبر ماننے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ معلوم ہوا یہ دونوں صفات اسلام کے اساسی وبنیادی اصولوں میں شمار ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صداقت وامانت کے اعلیٰ مدارج ومراتب پر فائز تھے۔

قرآن مجید میں حضرت محمد مصطفیٰ ص کی صداقت کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

ولذی جاء بالصدق و به اولاءک هم المتقون

وہ شخص جو سچی بات لے کر آیا ہے اور جس نے تصدیق کی وہی متقی ہے۔[1]

روایات اہلبیت علیہم السلام میں منقول ہے صدق سے مراد رسواللہ ہے اور تصدیق سے مراد امام علی علیہ السلام کیونکہ نبی اکرم ﷺ تقویٰ ہیں اور امام علی علیہ السلام امام المتقین ہیں۔[2]

صداقت صفت خدا کو اس قدر پسند ہے کہ قرآن مجید میں صاحب ایمان کو ایک مشورہ دے رہا ہے:

یاایّها‌الذین آمنو اتقو الله وکونو ا مع الصادقین

اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور سچو کے ساتھ ہو جاؤ صادقین۔[3]

---

[1]۔ القرآن: ۲۴\۳۳

[2]۔ قرآن و اہلبیت صفحہ ۳۸ مولف علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی ایڈیشن سوم ناشر ادراہ منہاج الصالحین جناح ٹاؤن ملتانی روڈ لاھور (ماخوذ از بزرگ مفسر طبرسی متوفی ۵۴۸ھ نے مجمع البیان میں ذکر کیا ہے)

[3]۔ القرآن: ۱۱۹\۱۱اء۱۰

نافع بن عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کونوا مع صادقین سے مراد یعنی محمد واہلبیتہ[1]
اور رسول خدا نے ابھی اعلان نبوت بھی کیا تھا کہ آپکی صداقت اور امانت کا مشرکین مکہ میں چرچہ تھا۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ منصب رسالت کہاں قرار دے۔[2]

اس آیت سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ قبلِ بعثت ایمان، عقیدہ، اخلاقی شائستگی اور صداقت کے اعتبار سے تمام لوگوں سے افضل و برتر تھے حتیٰ کہ آپ کفار کے درمیان بھی "صادق وامین" جیسے لقب سے مشہور و معروف ہوگئے یہاں تک کہ عرب کی مالدار اور تاجرہ خاتون سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا نے آپ کی سچائی اور امانتداری کے چرچے سن کر آپؐ سے خواہش کی کہ مال تجارت کی ذمہ داری قبول فرمائیں لہذا رسول نے شام کی طرف مال تجارت لے جانی کی ذمیداری قبول فرمائی اور اپنی سچائی اور امانتداری کے سبب دوسرے تاجروں کی نسبت جناب خدیجہ کو مال تجارت میں دوگنا فائدہ پہنچایا۔[3]

[1]۔ قرآن واہلبیت صفحہ ۴۱ مولف علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی ایڈیشن سوم ناشر ادراہ منہاج الصالحین جناح ٹاؤن ملتانی روڈ لاہور

[2]۔ القرآن: ۲۴\۱۲۴ء۷

[3]۔ تاریخ اسلام حصہ اول صفحہ ۴۶ مصنف سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی مرحوم ناشر امامیہ دار التبلیغ اشاعت ۱۹۹۶ء (از ماخذ سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۱۸)